© rasailojaraid.com

اباحیت پسندی کا نظریہ*

مولانا سلطان احمد اصلاحی

معاملات دنیا کی دین و مذہب سے آزادی اور خدا و رسول سے منہ موڑ کر مسائل حیات کو حل کرنے کی خواہش نے ترقی پسندی اور روشن خیالی کے دعویدار یورپ کو فکر و نظر کی بے اعتدالی اور گمرہی کی جن نوع بہ نوع صورتوں سے دوچار کیا ہے، ان میں سے ایک چیز 'اباحیت پسندی' (Permissiveness) یعنی بے قید و بے مہار جنسی زندگی کا تصور ہے۔ بادی النظر میں اباحیت پسندی (Permissiveness) سے ذہن جملہ معاملات زندگی میں ہدایت الٰہی سے بے نیازی اور دین و مذہب کی قید سے آزادی کی طرف جاتا ہے۔ لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اباحیت پسندی (Permissiveness) کا مطلب خاص طور پر انسان کا اپنی جنسی زندگی میں ہر طرح کی قید و بند اور پابندی اور رکاوٹ سے آزاد ہونا ہے چنانچہ لغت میں اس کی جو تعریف کی جارہی ہے اس میں 'سماجی برتاؤ' (Social Conduct) اور سماجی تبدیلیاں (Social changes) بھی اگرچہ اس کے دائرے میں آتی ہیں[1] پر بے قید جنسی زندگی ان سب پہ نمایاں ہے جس نے دوسرے تمام پہلوؤں کو بالکل دبالیا ہے۔ 'زیادہ سے زیادہ جنسی آزادی' کے ساتھ ہم جنس پرستی کی آزادی کا اصلاحی قانون، سینما کی دنیا میں سنسر شپ کا خاتمہ، ان موضوعات پر بے تکلف اور کھلا بحث و مباحثہ جن پر اب تک اظہار خیال کی پابندی تھی وغیرہ بہت سی چیزیں اس میں شامل ہیں[2] چنانچہ اباحی معاشرہ (Permissive Society)

---

* زیر ترتیب کتاب 'اباحیت پسندی کا نظریہ اور اسلام' کا ایک حصہ

1) Chamber's Family Dictionary, Edinbargh, 1981

2) Chamber's Twentieth Century Dictionary, Allied Publishers, New Delhi 1973 Oxford Advanced Lerner's Dictionary of Current English, Dirya Ganj, New Delhi 1982.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس معاشرہ کو کہا جاتا ہے جس میں آزادی کی یہ نعمتیں خاص طور پر حاصل ہوں[1]۔ لغات کی دنیا کا یہ وہ اضافہ ہے جس کا سن ۱۹۶۰ء سے پہلے سراغ نہیں ملتا[2]۔

اس تصور کی ابتدار

مغرب کی یہ جنسی انارکی جسے وہاں کے مفکرین جنسی انقلاب (Sexual revolution) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس کا سرا سنہ ۱۹۲۰ء کے آس پاس ملتا ہے۔ جو سنہ ۱۹۷۰ء اور اس کے ارد گرد اپنے نقطۂ عروج کو پہنچتا ہے جبکہ جنسی رویئے (Sexual attitudes) اباحیت پسندی (Permissiveness) کی طرف چھلانگ لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سماجی اور قانونی اصلاحات کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جو جنسی برتاؤ (Sex behavior) کو خالص فرد کے ذاتی فیصلہ کا معاملہ قرار دیتے ہیں[3]۔ سنہ ۱۹۶۰ء سے آگے 'جنسی اباحیت پسندی' کی لہر ایک اور محدود رخ اختیار کرتی ہے یعنی 'قبل از ازدواج جنسی اباحیت (Premarital Sexual Permissiveness) جس کے نتیجے میں 'جنسی اباحیت' (Sexual Permissiveness) 'قبل از ازدواج جنسی اباحیت' (Premarital Sexual Permissiveness) کے مرادف ہو کر رہ جاتی ہے۔ گویا کہ اب مغرب جنسی بے راہ روی کے لیے آگے کے مراحل کے انتظار کا متحمل نہیں، شادی سے پہلے ہی وہ اس دائرے کے تمام تجربات کر لینے کو ضروری خیال کرتا ہے۔ اس عرصہ میں جن مصنفین و مفکرین اور اہل قلم کے ذریعہ اس تصور کی متعین شکل و صورت سامنے آئی ہے اور اس کے خدوخال واضح اور نمایاں ہوئے ہیں، ان میں ماہر سماجیات

ف۱ 1. Chamber's Family Dictionary ۲. محولہ بالا Chamber's Twentieth Century Dictionary طبع مذکور

ف۲ حوالہ سابق

ف۳ 1. The Sociology of Sex P. 245, 246 - Edited by James M. Henslin and Edward Sagrin, Shocken Books, New York, 1978 نیز 2. Ira L. Reiss: The Social Context of the Premarital Sexual Premissiveness P. 8. Holt Rinehart and Winston, New York 1967

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جناب ارا۔ال۔ریس (Ira. L. Reiss) کا نام سرِفہرست ہے۔ جنھوں نے خاص طور پر اس پس منظر میں نئی دنیا امریکہ کے جائزے اور اس پر اپنے مطالعات اور جائزوں سے قبل از ازدواج جنسی اباحیت (Premarital Sexual Permissiveness) کو جدید سماجیات (Sociology) کا ایک زندہ بلکہ دہکتا ہوا موضوع (Burning Topic) بنا دیا ہے۔ اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے موصوف کے متفرق مقالات کے علاوہ جو مغرب کے سماجیات کے معیاری جرنلس میں شائع ہو چکے ہیں، ان کی دو مستقل تصنیفات ہیں۔ ۱۔ امریکہ میں قبل از ازدواج کے جنسی معیارات (Premarital Sexual Standards in America)[1] اور ۲۔ 'قبل از ازدواج جنسی اباحیت کا سماجی سیاق' (The Sociol Context of the Premarital Sexual Premissiveness) افسوس کہ ہمیں تلاش کے باوجود مصنف کی پہلی کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔ البتہ دوسری کتاب ہمارے پیش نظر ہے جس کے حوالے انشاء اللہ آگے آپ کے سامنے آئیں گے۔ اپنے دیگر مقالات میں مصنف نے جس طرح کا کام کیا ہے اس کا کسی قدر اندازہ ان کے عنوانات ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ ۱۔ قبل از ازدواج مباشرت میں دوہرے معیار کا مسئلہ۔ ایک خیال جو مسترد کیا جا چکا ہے' (The Douple Standard in Premarital Intercourse – A Neglected Concept)[2]

۲۔ قبل از ازدواج جنسی اباحیت کی پیمائش (The Scaling of Premarital Sexual Premissiveness)[3] ۔ ۳۔ جنسی نشاۃ ثانیہ۔ ایک خلاصہ اور تجزیہ (Sexual Renaissance, A Summary and Analysis)[4] ۴۔ سماجی طبقات اور قبل از ازدواج جنسی اباحیت (Socil Class and Premarital Sexual Penmissiveness)[5] ۔ اس دائرے کے دوسرے مصنفین کی کاوشیں

---

[1] شائع کردہ: Newyork Free Press 1960

[2] Sociol Forces, March 1956 میں شائع شدہ

[3] Sociol Farces May 1964 صفحات ۱۸۸ تا ۱۹۸

[4] Journal of Sociol issues April 1966 صفحات ۱۲۳ تا ۱۳۷

[5] American Sociological Review, October 1965 صفحات ۷۴۷ تا ۷۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ اس طرح کی ہیں ۱۔ رابرٹ بل (Robert Bell) کی کتاب 'بدلتے سماج میں قبل ازازدواج جنس' (Premarital Sex in Changing Society)[1] ۲۔ جان گیگنان (John Gagnon) کی کتاب 'قبل ازازدواج مباشرت اور ذاتی باہمی تعلقات' (Premarital Intercourse and Interpersonal Relationships)[2]

یورپ اور خاص طور پر نئی دنیا امریکہ میں، جو قبل ازازدواج جنسی اباحیت (Premarital Sexual Permissiveness) کا خاص مرکز ہے، جنسی اباحیت پسندی کا کیا رنگ ڈھنگ ہے اور روشن خیالی اور علم وفن کے نام پر شیطان کس طرح انسان کو اپنے پیچھے پکار رہا ہے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس سے پہلے یورپ کی تاریخی جنسی بے اعتدالی پر ایک نظر ڈال لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یورپ کی تاریخی جنسی بے اعتدالی

اسے یورپ کی بدقسمتی ہی کہنا چاہیے کہ اسے اپنی تاریخ کے کسی عرصہ میں جنسی اعتدال نصیب نہ ہوسکا۔ زمانۂ دراز تک وہ پال کی ایجاد کردہ پامال مسیحیت کے دام میں گرفتار رہا، جس نے حضرت مسیحؑ کی اصل تعلیمات میں تحریف کرکے تجرد و رہبانیت (Celibacy) کو انسانی زندگی کا آئیڈیل قرار دیا۔ اس سے قطع نظر کہ پوری مسیحی دنیا میں اس خلاف فطرت اصول پر کبھی مخلصانہ عمل نہیں ہوا، جیسا کہ نہ ہوسکتا تھا۔ عوام سے قطع نظر خود کلیسا اپنی عظمت وافتخار کے دور شباب میں مثالی جنسی بے اعتدالیوں کا شکار رہا۔ بڑے بڑے پادری شرافت واخلاق کی تمام حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شہوت پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے[3] یہاں تک کہ احتساب عقائد کی عدالتیں شہوت رانی کے مراکز بنی ہوئی تھیں[4] بعد میں کلیسا کے مظالم اور

۱؎ Englewood Cliffs, N.J. Prentice Hall 1966

۲؎ Boston: Little, Brown, 1975 رسالوں اور کتابوں کے ان سب حوالوں کے لیے ارا۔ال۔ایس کی کتاب 'The Social Context' پیش نظر ہے۔

۳؎ لیکی: تاریخ اخلاق یورپ، بحوالہ: سید جلال الدین عمری: عورت اسلامی معاشرے میں ص۲۱۵، ۲۱۶۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، بار ششم ۱۹۸۴ء۔ ۴؎ سلطان احمد اصلاحی: محدود تصور مذہب کا پس منظر، مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض دوسرے تاریخی اسباب وعوامل کے تحت یورپ میں 'نشاۃ ثانیہ' (Renaissance) اور روشن خیالی (Enlightment) کے دور کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں یورپ نے مسیحیت' سے دامن چھڑانے کے ساتھ نفس دین وایمان ہی سے یکسر رشتہ منقطع کرلیا[ل] اور مذہب واخلاق کی تمام قدروں سے آزاد ہوکر انسان نرا حیوان قرار پایا۔ روشن خیالی کا یہی نقطۂ عروج تھا جب کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں مغرب کی سرزمین سے سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud, 1856-1939) جیسے لوگ منصۂ شہود پر آئے۔ جس نے دین ومذہب کو بدترین جرم کی پیداوار بتایا۔ مذہب واخلاق کا یکسر انکار کرتے ہوئے انسان کو محض جانور قرار دیا اور انسانیت کو ایسے فرد کی صورت میں پیش کیا جو اپنی زندگی میں شہوانی طاقت (Libido) کی منہ زوریوں سے مجبور ہوکر اپنی لذتوں کی تکمیل میں لگا رہتا ہے۔ اسی شہوانی قوت کو اس نے انسان کی نفسیاتی ساخت کا سب سے پہلا درجہ قرار دیا۔ مزید براں اس نے یہ بھی کہا کہ قوت شہوانی (Libido) کو بالکل آزاد ہونا چاہیے۔ اس کا جو من چاہے کرے۔ جنس کے مسئلہ میں فرد آزاد ہے وہ جو چاہے سو کرے۔ کیونکہ وہ بیچارا مجبور ہے۔ ورنہ غریب اعصاب شکن دباؤ (Repression) کا شکار ہو جائے گا خلاصہ یہ کہ انسان کا جنسی مسئلہ ایک خالص حیاتیاتی مسئلہ (Biological Problem) ہے۔ مذہب و اخلاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ انسان خود طبعی لحاظ سے قطعاً ایک غیر اخلاقی وجود ہے۔ اس کی طبیعت میں ذاتی طور پر خیر وشر کا کوئی میلان نہیں پایا جاتا[۲]۔

= علی گڑھ / ۹۶۔ اپریل۔ جون ۱۹۸۲ء۔ موجودہ دور میں بھی مسیحی کلیسا کی حالت کم افسوسناک نہیں ہے۔ آج امریکہ میں نہ صرف یہ کہ کلیسا جنسی بے اعتدالیوں میں خود ملوث ہے۔ بلکہ وہ کھلے بندوں بدکاری اور جنسی آوارگی کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ وہ اپنے زیر انتظام اس کے مواقع فراہم کرتا ہے اور اس کی سرپرستی کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو: سید قطب شہید: اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل صفحات ۹۲ تا ۹۶۔ ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی۔ ادارہ معارف اسلامی، کراچی، اشاعت اول ۱۹۷۳ء۔

[ل] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ہمارا سلسلہ مضامین، یورپ میں محکمۂ احتساب کے ستم خوردوں پر ایک نظر' اور یورپ میں چرچ اور اسٹیٹ کی علاحدگی مطبوعہ بر ترتیب، تحقیقات اسلامی۔ جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۲ء، جنوری مارچ ۱۹۸۳ء۔

[۲] فرائڈ کے ان خیالات کے لیے پیش نظر ہے: محمد قطب: اسلام اور جدید مادی افکار، ترجمہ سجاد احمد =

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب یورپ کے فکر و فلسفہ کے اماموں کی نگاہ میں 'انسان' کی یہ حیثیت قرار پائے اور اس کی ساری زندگی جنس (Sex) کے گرد گھوم جائے تو اس دائرے میں وہ جیسے کچھ بھی شگوفے کھلائے کم ہی ہے۔ لیکن اب تک یہ مسئلہ نفسیات (Psychology) کا تھا آگے وہ اس سے آگے سماجیات (Sociology) کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ انسان کی حقیقت و ماہیت اور اس کی جبلت کا مطالعہ اور زندگی میں اس کے لیے مناسب رویوں کی تعیین، یہ میدان اصلا فلسفہ و نفسیات کا ہے۔ جب اس دائرے میں انسان کی 'حیوانی' حیثیت مسلم ہو گئی تو 'سماجیات' کے حصے میں لے دے کر جو چیز رہ گئی وہ یہ کہ متنوع زاویوں سے وہ مختلف سماجی اکائیوں کا مطالعہ کرے اور موجود سماجی ڈھانچے سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار کے ذریعہ انسانی رویوں کے تجزیہ و تحلیل سے اپنے میدان میں نئے مواد کا اضافہ کرے۔ جب سے یورپ نے دین و ایمان کے جھنجھٹ سے پیچھا چھڑایا ہے، کیفیت یہی ہے کہ معاشرہ آگے آگے چلتا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے افکار و نظریات کی تشکیل ہوتی ہے۔ جنس (Sex) کے مسئلہ میں موجودہ سماجیات اسی صورت حال سے دو چار ہے۔ جناب ارارال ریس کی عظمت کا یہی راز ہے کہ انھوں نے سماجی علوم کی سب سے کم عمر شاخ 'سماجیات' (Sociology) میں بھی اس ابھی بالکل تازہ اور نو وارد مسئلہ جنس (Sex) کو امریکی سماج کے مطالعہ کی روشنی میں مربوط اور منظم شکل میں پیش کیا ہے۔ اور اسے نئی اصطلاحات اور نئے خیالات و اکتشافات سے مالا مال کیا ہے۔

= کاندھلوی ۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، بار اول ۱۹۸۰ء ۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب مذکور صفحات ۳۷ تا ۵۱ ۔ نیز: ص ۳۲۷ تا ۳۳۳ ۔ جناب سجاد احمد کاندھلوی نے کتاب کا بہترین ترجمہ کیا ہے اور جا بجا مفید حواشی لکھے ہیں جس سے کتاب کی قدر قیمت بڑھ گئی ہے ۔ نیز ملاحظہ ہو: محمد قطب: انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء، ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی، ص ۲۲۹ تا ۲۶۵ ۔ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار اول ۱۹۸۱ء جناب محمد قطب نے ۔ گو کہ بسا اوقات مواد کا تکرار ہے ۔ اپنی تقریباً تمام کتابوں میں 'جنس' کے مسئلہ پر نفسیاتی رنگ میں بحث کی ہے ۔ ۱۔ جدید جاہلیت ص ۲۴ تا ۲۲۸ ۔ ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، بار اول ۱۹۷۹ء

۲۔ اسلام کا نظام تربیت ص ۸۲ تا ۱۸۸ ۔ ترجمہ پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، طبع سوم ۱۹۸۶ء

۳۔ اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، ترجمہ: محمد سلیم کیانی ایم اے صفحات ۲۶۶ تا ۲۷۷ شائع کردہ افسو IIFSO ۱۹۷۴ء نیز ملاحظہ ہو: سید قطب شہید: اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل ص ۸۶، ۸۷ ۔ محولہ بالا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رشتۂ ازدواج سے باہر جنسی اباحیت

خاص طور پر اسلام کے نقطۂ نظر سے قبل از ازدواج جنسی اباحیت (Premarital Sexual Permissiveness) رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد جنسی اباحیت سے ہلکا جرم ہے۔ قبل از ازدواج جنسی اباحیت کو سماجیات (Sociology) کے ایک زندہ مسئلہ کی حیثیت ابھی تازہ حاصل ہوئی ہے۔ یورپ اس سے پہلے سے علی الاطلاق رشتۂ ازدواج سے باہر جنسی اباحیت کا قائل ہے۔ بلا لحاظ اس کے کہ آدمی شادی کے بندھن میں بندھا ہوا ہے یا نہیں یہ کوئی برائی نہیں ہے کہ رشتۂ ازدواج سے باہر اپنی جنسی تسکین کا سامان کیا جائے۔ اس سلسلے میں یورپ کو اگر کسی کمی اور نقصان کا احساس ہے تو محض اس پہلو سے ہے کہ بچے کی پرورش و پرداخت کے عرصہ میں ایک بیوی پر اکتفا کرنے کا طریقہ (Monogamous Pattern) ہی زیادہ مفید اور بہتر ہے۔ اس لیے کہ بہر صورت حقائق و شواہد کا وزن اس کے حق میں ہے۔ جبکہ نفسیات اطفال (Child Psychology) کے دلائل نے اس میں مزید زور پیدا کر دیا ہے کہ بچے کے سماجی رویوں کی تشکیل میں گھر کے استحکام (Home Stabality) کی بڑی اہمیت ہے۔ مزید براں بچے کے نارمل اٹھان کے لیے ماں باپ کے رشتے کی ناگزیر ضرورت ہے[1] مغرب میں شادی کی ضرورت کا احساس بھی اسی پہلو سے ہے کہ بچے کی صحیح پرورش و پرداخت اسی صورت میں زیادہ بہتر ہو سکتی ہے۔ مانع حمل تدابیر چوں کہ پوری طرح کامیاب نہیں ہیں، اس لیے شادی سے باہر جنسی تعلق کی صورت میں بن چاہے بچے پیدا ہو سکتے ہیں جن کی پرورش و پرداخت ایک مسئلہ ہوگی۔ جبکہ دوسرے ذرائع سے اس مسئلہ کے حل میں بڑی کمیاں اور خامیاں ہیں[2] جنس کے دائرے میں زیادتی کے ارتکاب (Sexual offence) کی صرف دو صورتیں ہیں۔ اول کمسنوں کا اغوا خواہ وہ لڑکی ہو یا لڑکا، دوم یہ کہ اس سلسلے میں آدمی کوئی ایسا طرز عمل اختیار کرے جو عامۃ الناس کو چونکانے والا یا انھیں ناراض کرنے والا ہو۔ اس کے بعد یہ تسلیم شدہ ہے کہ آدمی جو بھی جنسی طرز عمل اختیار کرے جس سے سوسائٹی پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو تو قانون کو اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔

---

1) Alex Comfort : Sex in Society P. 85, 86, Gerald Duck work & co. Ltd. London. 1963

۲) حوالہ سابق ص ۸۹ - ۹۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو بالغ اور جوان اپنی مرضی سے جو رویہ بھی اختیار کریں یہ ان کا اپنا معاملہ ہے جس پر کسی کو انگلی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انھیں صرف ایک بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ان کا رویہ مناسب، شائستہ اور باوقار ہو۔ خیال رہے کہ اس مرضی میں دو مردوں کی بھی رضا مندی شامل ہے۔ ان آداب کا لحاظ کر کے انھیں ہم جنس پرستی کی بھی پوری اجازت ہے۔ الکس کمفرٹ (Alex Comfort) کے بقول مغرب کے تقریباً تمام مہذب ملکوں میں اسی قانون کا چلن ہے۔[1]

جنسی اباحیت کی نظریاتی بنیادیں

آدمی اگر کوئی غلط کام غلط مانتے ہوئے کرے تو اس کی اصلاح کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ سمجھانے بجھانے سے صحیح راستے پر آجائے گا اور تلافی مافات کی کوشش کرے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی غلط کام کو صحیح سمجھتے ہوئے کرے اور اس کے حق میں اپنے من پسند دلائل سے پوری طرح راضی اور مطمئن ہو تو ایسے شخص کی اصلاح بہت مشکل ہے۔ اس مریض کا بس خدا ہی حافظ ہے جو اپنے مرض کو مرض سمجھنے کے بجائے اسے صحت کا مقام دے بیٹھے اور مرض کی علامات کو صحت کی نشانیاں باور کرنے لگے اور اس کے خیال کے مطابق اس کے حق میں اس کے پاس ایسے دلائل ہیں جو بڑی کوہکنی کے بعد اسے ہاتھ آئے ہیں۔ بڑے ناسمجھ اور ناقدرے ہیں وہ لوگ جو اس کے نادرۂ روزگار افکار و خیالات سے استفادہ کرنے کے بجائے الٹا اسے مریض سمجھتے اور اسے ایسا ہی باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنس (Sex) کے معاملہ میں موجودہ مغربی دنیا کا حال اسی مریض جیسا ہے۔ وہ جنسی اباحیت اور جنسی انارکی کو کوئی بیماری یا برائی تسلیم کرنے کے بجائے قدیم غیر مہذب سوسائٹیوں کے بالمقابل اپنی روشن خیالی کے دور کا نادر تحفہ قرار دیتی ہے۔ چنانچہ کہا جا رہا ہے کہ 'جنسی برتاؤ' (Sexual behavior) کی مختلف اور متنوع صورتیں ہر فرد کے اندر جنینیاتی طور پر موجود ہوتی ہیں۔ فرق صرف اس کا ہے کہ کون سا برتاؤ کس کو زیادہ پسند آتا ہے۔ اس میں بڑا دخل وراثت (Heredity) ماحول اور ابتدائی حالات نیز تہذیب کے اس رنگ و آہنگ کا ہوتا ہے جس میں آدمی کے زندگی کے ایام بسر ہوتے ہیں۔ سادیت پسندی (Sadism) جس میں صنف مقابل کو جسمانی ایذا پہنچائے بغیر آدمی کی جنسی تسکین نہیں ہوتی، مازیکزم (Masochism) یعنی جنسی انحراف جس میں صنف

[1] حوالہ مذکور ص ۱۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقابل سے مغلوب ہونے نیز اس کے سفاکانہ برتاؤ سے آدمی کو راحت اور سرور ملتا ہے۔ فیٹیشزم (Fetishism) جس میں انسان کو کسی غیر جاندار چیز سے جنسی دلچسپی کی مریضانہ وابستگی ہوتی ہے۔ ہم جنس پرستی (Homo Sexuality) اور نارسزم (Narcissism) شہوت پرستانہ خود پرستی جو کسی آدمی کے اندر پائی جائے۔ جنسی برتاؤ کی یہ سبھی شکلیں انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ مختلف العناصر جنسی جذبہ کے اجزار کے جھکاؤ کا تناسب جس طرف بڑھ جاتا ہے، مختلف افراد کے اندر اسی کی نسبت سے اس کی صورتیں مختلف ہو جاتی ہیں[1] ظاہر ہے جب مادیت پسندی اور مازیکزم جیسی جنسی انحراف کی صورتیں بھی انسان کے اندر جبلیاتی طور پر موجود بتائی جائیں تو سماج میں ان کے اظہار بلکہ ان کے پھیلاؤ پر تعجب کرنے اور اس پر کسی کے انگلی اٹھانے کا کیا موقعہ ہے۔ رشتۂ ازدواج سے باہر جنسی تعلق کا مسئلہ بھی اس سے صاف طریقے پر حل ہو جاتا ہے کہ جب جنسی انحراف کی یہ بدترین صورتیں بھی انسان کے نارمل ارتقاء کا ایک حصہ ہیں تو شادی سے باہر جنسی تعلق تو اس کے مقابلہ میں بہت چھوٹی اور معمولی بات ہے۔ جنسی انحراف کی مذکورہ صورتوں کا قائل معاشرہ اس دائرے میں جس قدر بھی آگے نکل سکے کم ہی ہے۔ آگے ہی مصنف شادی کے روایتی ادارہ کی نسبت سے مذہبی اخلاقیات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہ یہ ہر شخص کو ایک ہی انداز سے شادی کے بندھن میں باندھ کر ہر پیر کو ایک ہی سائز کے جوتے میں فٹ کرنا چاہتی ہیں، دور جدید کے مطلوبہ جنسی رویئے کی ترجمانی اس طرح کرتا ہے کہ: "پیر کا ایک ماڈل سائز ضرور ہوتا ہے لیکن جوتے کے فیشن کی بھی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں[2]" (There is a model size of foot as well as a fashion in foot wear) مزید فرماتے ہیں کہ "ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ عام طور پر جنسی برتاؤ کا کون سا رویہ سب سے زیادہ سمجھداری پر مبنی ہے؟" پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ: "یہ سوال کیا جانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی ہم سے پوچھے کہ عام طور پر سب سے زیادہ مناسب غذا کون سی ہے"[3] الکس کمفرٹ کے اس بیان میں کچھ ابہام ہو تو ایک دوسرا مصنف اس ابہام کو بالکل صاف کر دیتا ہے۔

جج بن لنڈسی (Judge Ben Lindsey) اپنی کتاب (The Companionate Marriage) جس کے اپنے ماحول پر غیر معمولی اثرات مرتب ہوئے،

---

۱ حوالہ سابق ص ۱۳۹ ۲ حوالہ مذکور ص ۸۵ ۳ حوالہ سابق ص ۸۵-۸۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں فرماتے ہیں :

"میرا مشورہ ہے کہ رشتہ ازدواج سے باہر جنس' (Extra-marital Sex) کے سلسلے میں سماج کے لیے مناسب نظریہ یہ ہے کہ وہ یہ تسلیم کرے کہ کچھ لوگوں کے اندر جنس کے متنوع تجربات کا رجحان ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کے اندر یہ بات نہیں ہوتی۔ سماج کا یہ کوئی وظیفہ نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کے تئیں کوئی امتیازی رویہ اختیار کرے جو اس طرح کے رجحانات رکھتے ہوں جبکہ وہ مناسب طور پر دوسرے لوگوں کے جائز حقوق کا لحاظ رکھ رہے ہوں اور ان کا احترام کرتے ہوں۔ اس حد کے اندر رہتے ہوئے ان کی یہ روش ان کا بالکل شخصی معاملہ ہے جس کے بارے میں تنہا انھیں ہی فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ ایک شخص کو اپنی سیاست یا اپنے مذہب کے سلسلے میں انتخاب کا اختیار ہوتا ہے۔"[1]

سیاست کے ساتھ مذہب کی جو اس سے قدر افزائی ہو رہی ہے وہ اپنی جگہ کہ انسان نے مذہب کو نیچے گرایا تو اسے کس قدر نیچے گرایا، اس کی روشنی میں 'جنس' کے سلسلے میں دور حاضر کے انسان کا رویہ بالکل واضح ہے۔ وہ اس دائرے میں اپنے لیے مکمل آزادی کا طلب گار ہے۔ صرف شہریت کے آداب کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ مہذب دنیا کے مہذب انسانوں کو کوئی تکلیف اور ناگواری نہ ہو نفس جنس (Sex) کسی ادب کی محتاج نہیں ہے۔ جنس کے معاملے میں انسان بالکل آزاد ہے اس کے سلسلے میں اس کے اوپر کسی قسم کی پابندی اور رکاوٹ لگانا جائز نہیں ہے۔

خالص حیاتیاتی مسئلہ

اسی سلسلے میں، جیسا کہ اشارہ گزرا، ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ جنس کا مسئلہ خالص حیاتیاتی مسئلہ (Biological Problem) ہے اور اسے حیاتیاتی بنیادوں پر ہی حل کرنا چاہیے۔ اس معاملے میں مذہب واخلاق کی دخل اندازی کا کوئی فائدہ نہیں، اس مسئلہ کے حل کے لیے خواہ مخواہ کی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ غیر مہذب عہد پارینہ کی غیر مہذب سوسائٹیوں کی روایت ہے۔ جس کا دور اب ختم ہو چکا ہے۔ الکس کمفرٹ کے

---

[1] The Sociology of Sex P. 72 محولہ بالا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بقول جنسی تعلق کی مطلوبہ نوعیت جسے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور جسے اپنا مطمح نظر قرار دیا جائے، اس کے سلسلے میں ہمارے خیالات کو لازماً عام حیاتیاتی اصولوں پر استوار ہونا چاہیے۔ قدیم سوسائٹیوں میں موجود طور طریقوں سے حاصل ہونے والے معیارات پر ان کی بنیاد نہ ہونی چاہیے۔[۱] حیاتیاتی اصولوں پر استوار ہونے کا مطلب ہے کہ جہاں کوئی حیاتیاتی مسئلہ پیدا ہو اسے حیاتیاتی بنیادوں پر حل کیا جائے۔ چنانچہ اگر کامیاب مانع حمل تدابیر سے حیاتیاتی مسئلہ سے کامل اطمینان حاصل ہو جائے تو پھر جنسی تعلق کی نوعیت کیا ہے، اس کے بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ یہی مصنف آگے شادی کے سلسلے میں مذہبی تعلیمات پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ جو مذہبی تعلیمات نے اپنے شادی کے تصور کو اولاد کی پیدائش کے بجائے مباشرت کے عمل پر مرکوز کر دیا ہے تو اس نے خواہ مسئلہ کو مزید الجھا دیا ہے۔ اس لیے کہ یک زوجگی کے حق میں حیاتیاتی دلیل کا دارومدار بڑی حد تک بچوں کی موجودگی پر ہے۔ شادی کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے غیر بار آور مباشرت کو جو سماجی اہمیت حاصل ہے وہ برائے نام یا بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔[۲] مطلب واضح ہے کہ مذہب میں ایک بیوی پر اکتفا کرنے کے طریقے پر جو غیر معمولی زور ہے تو اسی لیے کہ اس کے نتیجے میں بچے پیدا ہوں گے۔ رشتۂ ازدواج سے باہر جنسی تعلق قائم کرنے کا مطلب ہوگا کہ سماج پر ایسی اولاد کا بار پڑے جو بن سری ہو لیکن غیر بار آور مباشرت پر مذہب کو ناک بھوں چڑھانے کی کیا ضرورت ہے جس میں ایک سے زائد عورتوں سے آدمی جنسی تعلق قائم کر سکتا ہے۔ لیکن اولاد جیسی کسی چیز کا خطرہ نہیں ہوتا۔ دوسرے موقع پر مصنف موصوف بدلے ہوئے پیرائے میں اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات بالکل صاف ہے کہ مانع حمل ادویہ میں اگر اسی رفتار سے ترقی ہوتی رہی جیسی کہ اس وقت ہے تو فی الواقع ایک شخص نہیں ملے گا جسے کہ سزا دی جا سکے، اس لیے کہ دن بدن مجرم پر ہاتھ رکھنے کا بہترین طریقہ ہوگا کہ نتائج کی جانچ پرکھ کے ذریعہ کسی فیصلہ تک پہنچا

---

۱ Alex Comfort: Sex in Society P. 87

۲ حوالہ سابق ص ۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے۔ جذبات اور روایات کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔[1] بات بالکل صاف ہے کہ مکمل قابل اعتماد مانع حمل تدابیر نتائج تک نوبت پہنچنے ہی نہ دیں گی۔ ان آداب کی رعایت کے ساتھ جن کی تفصیل اوپر گزری، غیر بار آور جنسی تعلق جیسا بھی ہو اور جس قدر بھی ہو اس کے اندر جرم اور گناہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ مذہب و اخلاق سے قوت حاصل کرنے والے جذبات اور پرانی روایات کی اس دائرے میں کوئی شنوائی نہ ہوگی۔ امریکہ کی اجتماعی زندگی کے حوالہ سے اس ملک کا مشاہدہ کرنے والے ایک مبصر سے ایک گفتگو کے دوران "ادارۂ معلمین" (گریلی کولوراڈو) کی ایک خاتون نے ان سے صاف طریقے پر کہا کہ: "صنفی تعلقات کا مسئلہ صرف حیاتیاتی مسئلہ ہے۔ مگر تم مشرقی لوگ اخلاق کو گھسا کر اس آسان سے مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیتے ہو چونکہ جانور اپنے جنسی ملاپ میں اخلاق کو مدنظر نہیں رکھتے اس لیے ان کی زندگی آسان، سادہ اور آرام دہ ہے۔"[2]

---

[1] حوالۂ مذکور ص ۱۲۹

[2] سید قطب شہیدؒ: میرا چشم دید امریکا بحوالۂ اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل، از مصنف مذکور ص ۸۷، محولہ بالا۔

مشترک خاندانی نظام اور اسلام
از: سلطان احمد اصلاحی

مشترک خاندانی نظام (JOINT FAMILY SYSTEM) ہندوستان اور تیسری دنیا کے ملکوں کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس رسالہ میں اسلام کے نقطۂ نظر سے اسی اہم مسئلہ سے بحث کی گئی ہے۔ رسالہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں مشترک خاندانی نظام کے محرکات اور اس کے نقصانات کی سماجی، معاشی اور نفسیاتی سبھی پہلوؤں سے تفصیل ہے۔ دوسرے حصے میں اس نظام کے برعکس اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے خدوخال، اس کے مستند ماخذ کی روشنی میں دلائل کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں۔ رسالہ علمی اور تحقیقی ہے اور کوئی بات بغیر حوالہ کے نہیں کہی گئی ہے۔

صفحات ۵۶ آفسٹ کی حسین طباعت قیمت صرف ۶ روپئے

ناشر: مکتبۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

© rasailojaraid.com